

تفہیم القرآن

(۳۳)

یونس

(از ابتدا تا وسط رکوع ۱)

اس سورہ کا نام حسب دستور محض علامت کے طور پر دسویں رکوع کی اُس آیت سے لیا گیا ہے جس میں اشارۃً حضرت یونس کا ذکر آیا ہے۔ سورہ کا موضوع بحث حضرت یونس کا قصہ نہیں ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے اور نفس مضمون سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ پوری سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ اس کی بعض آیتیں مدنی دور کی ہیں، لیکن یہ محض ایک سطحی قیاس ہے۔ سلسلہ کلام پر غور کرنے سے صاف محسوس ہو جاتا ہے کہ یہ مختلف تقریروں یا مختلف مواقع پر اتاری ہوئی آیتوں کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ شروع سے آخر تک ایک سیاق و سباق پر ہے جو بیک وقت نازل ہوئی ہوگی اور مضمون کلام اس بات پر صریح دلالت کر رہا ہے کہ یہ مکہ کی دور کا کلام ہے۔

زمانہ نزول کے متعلق کوئی روایت نہیں ملی لیکن مضمون سے ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سورہ زمانہ قیام مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہوگی، کیونکہ اس کے انداز کلام سے صریح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ مخالفین دعوت کی طرف سے مزاحمت پوری شدت اختیار کر چکی ہے، وہ نبی اور پیروان نبی کو اپنے درمیان برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، ان سے اب یہ امید باقی نہیں رہی ہے کہ تفہیم و تلقین سے راہ راست پر آجائیں گے، اور اب انہیں اس انجام سے خبردار کرنے کا موقع آگیا ہے جو نبی کو آخری اور قطعی طور پر رد کر دینے کی صورت میں انہیں لازماً دیکھنا ہوگا۔ مضمون کی یہ خصوصیت ہمیں بتاتی ہے کہ کونسی سورتیں مکہ کے آخری دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن اس سورہ میں ہجرت کی طرف بھی کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا، اس لیے اس کا زمانہ ان سورتوں سے پہلے کا سمجھنا چاہیے جن میں کوئی

ذکوئی خفی یا جلی اشارہ ہم کو ہجرت کے متعلق ملتا ہے۔ نماز کی اس قسم کے بعد تاریخی پس منظر بیان کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، کیونکہ اس دور کا تاریخی پس منظر سورہ انعام اور سورہ اعراف کے دیباچہ میں بیان کیا جا چکا ہے۔

موضوع تقریر دعوت، انکشاف اور تنبیہ ہے۔ کلام کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ:

لوگ ایک انسان کے پیغام نبوت پیش کرنے پر حیران ہیں اور اسے خواہ مخواہ ماحری کا الزام دے رہے ہیں، حالانکہ جو بات وہ پیش کر رہا ہے اس میں کوئی چیز بھی نہ تو عجیب ہی ہے اور نہ محروکمانت ہی ہے تعلق رکھتی ہے۔ وہ تو دو واضح حقیقتوں سے تم کو آگاہ کر رہا ہے۔ ایک یہ کہ جو خدا اس کائنات کا خالق ہے اور اس کا انتظام عملاً چلا رہا ہے صرف وہی تمہارا کسب و آقا ہے اور تمہارا اسی کا یہ حق ہے کہ تم اس کی بندگی کرو۔ دوسری یہ کہ موجودہ دنیوی زندگی کے بعد زندگی کا ایک اور دور آنے والا ہے جس میں تم دوبارہ پیدا کیے جاؤ گے، اپنی موجودہ زندگی کے پورے کارنامے کا حساب دو گے اور اس بنیادی سوال پر جواب دینا پڑے گا کہ تم نے اسی خدا کو اپنا آقا مان کر اس کے منشا کے مطابق نیک رویہ اختیار کیا یا اس کے منشا عمل کرتے رہے۔ یہ دونوں حقیقتیں جو وہ تمہارے سامنے پیش کر رہا ہے بجائے خود امر واقعی ہیں خواہ تم مانو یا نہ مانو۔ وہ تمہیں دعوت دیتا ہے کہ تم انہیں مان لو اور اپنی زندگی کو ان کے مطابق بنا لو۔ اس کی یہ دعوت اگر تم قبول کرو گے تو تمہارا اپنا انجام بہتر ہو گا اور نہ خود ہی برا نتیجہ دیکھو گے۔

اس تمہید کے بعد حسب ذیل مباحث ایک خاص ترتیب کے ساتھ سامنے آتے ہیں:

(۱) وہ دلائل جو توحید ربوبیت اور حیات اخروی کے باب میں ایسے لوگوں کو عقل و ضمیر کا امینان بخش سکتے ہیں جو جابلانہ تنصیب میں مبتلا نہ ہوں اور جنہیں بحث کی باوجہیت کے بجائے اعلیٰ فکر اس بات کی ہو کہ جو غلط مینی اور اس کے برے نتائج سے بچیں۔

(۲) اُن غلط فہمیوں کا ازالہ اور اُن غفلتوں پر تنبیہ جو لوگوں کو توحید اور آخرت کا عقیدہ تسلیم کرنے میں مانع ہو رہی تھیں (اور ہمیشہ ہوا کرتی ہیں)۔

(۳) اُن شبہات اور اعتراضات کا جواب جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کے

لائے ہوئے پیغام پر پیش کیے جاتے تھے۔

(۴) دوسری زندگی میں جو کچھ پیش آنے والا ہے اس کی پیشگی خبر تاکہ انسان اس سے ہوشیار ہو کر اپنے آج کے طرز عمل کو درست کر لے اور بعد میں پچھتانے کی نوبت نہ آئے۔

(۵) اس امر پر تنبیہ کہ دنیا کی موجودہ زندگی دراصل امتحان کی زندگی ہے اور اس امتحان کے سبب تمہارے پاس بس اتنی ہی مدت ہے جب تک تم اس دنیا میں سانس لے رہے ہو۔ اس وقت کو اگر تم نے ضائع کر دیا اور نبی کی ہدایت قبول کر کے امتحان کی کامیابی کا سامان نہ کیا تو پھر کوئی دوسرا موقع تمہیں ملتا نہیں ہے۔ اس نبی کا انا اور اس قرآن کے ذریعہ تم کو علم حقیقت کا بہم پہنچایا جانا وہ بہتر اور ایک ہی موقع ہے جو تمہیں مل رہا ہے۔ اس سے فائدہ نہ اٹھاؤ گے تو بعد کی ابدی زندگی میں ہمیشہ ہمیشہ پچھتاؤ گے۔

(۶) اُن کھلی کھلی جہالتوں اور ضلالتوں پر اشارہ جو لوگوں کی زندگی میں صرف اس وجہ سے پائی جا رہی تھیں کہ وہ خدائی ہدایت کے بغیر چل رہے تھے۔

اس سلسلہ میں نوح علیہ السلام کا قصہ مختصراً اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس سے چار باتیں ذہن نشین کرنی مطلوب ہیں۔ ایک یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو معاملہ تم لوگ کر رہے ہو وہ اُس سے ملتا جلتا ہے جو نوح اور موسیٰ علیہم السلام کے ساتھ تھا۔ اُسے پیش رو کر چکے ہیں اور یقین رکھو کہ اس طرز عمل کا جو انجام وہ دیکھ چکے ہیں وہی تمہیں بھی دیکھنا پڑے گا۔ دوسری یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو آج جس بے بسی و کمزوری کے حال میں تم دیکھ رہے ہو اس سے کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ صورت حال ہمیشہ یہی رہے گی۔ تمہیں خبر نہیں ہے کہ ان لوگوں کی پشت پر وہی خدا ہے جو موسیٰ و ہارونؑ کی پشت پر تھا اور وہ ایسے طریقہ سے حالات کی بباطل شدیتا ہے جس تک کسی کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی۔ تیسری یہ کہ سمجھنے کے لیے جو مدت خدا تمہیں دے رہا ہے اسے اگر تم نے ضائع کر دیا اور پھر فرعون کی طرح خدا کی کڑی پکڑ میں آجانے کے بعد عین آخری لمحے پر توبہ کی تو معاف نہیں کیے جاؤ گے۔ چوتھی یہ کہ جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے وہ مخالفت ماحول کی

انتہائی شدت اور اس کے مقابلہ میں اپنی بچاؤ کی دیکھ کر دایوس نہ ہوں اور انہیں معلوم ہو کہ ان حالات میں ان کو کس طرح کام کرنا چاہیے۔ نیز وہ اس امر پر بھی متنبہ ہو جائیں کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو اس حالت سے نکال دے تو کہیں وہ اُس روش پر نہ چل پڑیں جو بنی اسرائیل نے مصر سے نجات پا کر اختیار کی۔

آخر میں اعلان کیا گیا ہے کہ یہ عقیدہ اور یہ مسلک ہے جس پر چلنے کی اللہ نے اپنے پیغمبر کو ہدایت کی ہے، اس میں قطعاً کوئی ترمیم نہیں کی جاسکتی، جو اسے قبول کرے گا وہ اپنا بھلا کرے گا اور جو اس کو چھوڑ کر غلط راہوں میں بھٹکے گا وہ اپنا ہی کچھ بگاڑے گا۔

اللہ کے نام سے جو رحمان اؤیم ہے

آلِ رَایہ اُس کتاب کی آیات ہیں جو حکمت و دانش سے لبریز ہیں۔

کیا لوگوں کے لیے یہ عجیب بات ہو گئی کہ ہم نے خود انہی میں سے ایک آدمی کو اشارہ کیا کہ (عقلیت میں پڑے ہوئے) لوگوں کو چونکا دے اور جو مان لیں اُن کو خوشخبری دیدے کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس کچی عزت و سرفرازی ہے؟ (کیا یہی وہ بات ہے جس پر) منکرین نے کہا کہ یہ شخص تو کھلا

۱۵ اس تیسری فقرے میں ایک لطیف تنبیہ مضمون ہے۔ ناواں لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ پیغمبر قرآن کے نام سے جو کام ان کو سنارہا ہے وہ محض زبان کی باد و گری ہے۔ شاعرانہ پرواز تخیل ہے اور کچھ کابنوں کی طرح عالم بالا کی گفتگو ہے۔ اس پر انہیں متنبہ کیا جا رہا ہے کہ جو کچھ تم گمان کر رہے ہو یہ وہ چیز نہیں ہے۔ یہ تو کتاب حکیم کی آیات ہیں۔ ان کی طرف توجہ نہ کر دے گے تو حکمت سے محروم رہ جاؤ گے۔

۱۶ یعنی آخر اس میں تعجب کی بات کیا ہے؟ انسان کو ہوشیار کرنے کے لیے انسان نہ مقرر کیا جاتا تو کیا فرشتہ یا جن یا حیوان مقرر کیا جاتا؟ اور اگر انسان حقیقت سے غافل ہو کر غلط طریقے سے زندگی بسر کر رہے ہوں تو تعجب کی بات یہ ہوتی کہ ان کا خالق پروردگار انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا یا یہ کہ وہ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کوئی انتظام کرتا؟ اور اگر خدا کی طرف سے کوئی ہدایت آئے تو عزت و سرفرازی ان کے لیے ہونی چاہیے جو اسے ان میں یا ان کے لیے جو اسے روکھیں؟ پس تعجب کرنے والوں کو سوچنا تو چاہیے کہ آخر وہ بات کیا ہے جس پر وہ تعجب کر رہے ہیں۔

جادو گر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب وہی خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر تخت

۱۷ یعنی جادو گر کی پستی تو انہوں نے اس پر کس دی مگر یہ سوچا کہ وہ چسپاں ہی ہوتی ہے یا نہیں۔ صرف یہ بات کہ کوئی شخص خطابت سے کام لے کر لوگوں کے دل و دماغ کو متاثر کر رہا ہے، اس پر یہ الزام عائد کر دینے کے لیے کو کافی نہیں ہو سکتا کہ وہ جادو گر ہی کر رہا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس خطابت میں وہ بات کیا کہتا ہے، کس غرض کے لیے قوت تقریر کو استعمال کر رہا ہے اور جو اثرات مرتب ہو رہے ہیں وہ کس نوعیت کے ہیں۔ جو خطیب محض لوگوں کو سحر کرنے کے لیے زبان آدھی کے جوہر دکھاتا ہے وہ تو ایک منہ پھٹ، بے لگام، غیر ذمہ دار مقرر ہوتا ہے۔ حق اور صداقت اور انصاف سے آزاد ہو کر ہر وہ بات کہہ دیتا ہے جو اس کے سینے والوں کو متاثر کر دے خواہ جیسے خود کوئی ہی جھوٹی، مبالغہ آمیز اور غیر منصفانہ ہو۔ اس کی باتوں میں محاکت کے بجائے عوام کی منظم فکر کے بجائے تناقض اور ناہمواری، اور اعتدال کے بجائے بے اعتدالی ہوتی ہے۔ وہ یا تو محض اپنا سکھ جانے کے لیے زبان درازی کرتا ہے یا پھر لوگوں کو لڑانے اور ایک گروہ کو دوسرے کے مقابلہ میں ابھارنے کے لیے خطابت کی شراب پلاتا ہے اس کے اثر سے لوگوں میں نہ کوئی اخلاقی بلندی پیدا ہوتی ہے، نہ ان کی زندگیوں میں کوئی مفید تغیر رونما ہوتا ہے اور نہ کوئی خاص فکر یا صالح عملی حالت وجود میں آتی ہے، بلکہ اس کے برعکس لوگ پہلے سے بدتر صفات کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔ مگر یہاں تم کو یہ دیکھنا ہے کہ جو کہ پینیر جو کلام پیش کر رہا ہے اس میں نہکت ہے، ایک مناسب نظام فکر ہے، غایت درجے کا اعتدال اور حق و صداقت کا سخت التزام ہے، لفظ لفظ چھانٹو اور بات بات کاٹنے کی قول چوری ہے۔ اس کی خطابت میں تم خلی خدا کی اصلاح کے سوا کسی دوسری غرض کی نشاندہی نہیں کر سکتے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے اس میں اس کی اپنی ذاتی یا خاندانی یا قومی یا کسی قسم کی دنیاوی غرض کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ لوگ جس غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اس کے برے نتائج سے ان کو خبردار کرے اور انہیں اس طریقے کی طرف بلانے میں ان کا اپنا بھلا ہے۔ پھر اس کی تقریر سے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں وہ بھی جادو گروں کے اثرات سے بالکل مختلف ہیں۔ یہاں جس نے بھی اس کا اثر قبول کیا ہے اس کی زندگی ستر گئی ہے، وہ پہلے سے زیادہ بہتر اخلاق کا انسان بن گیا ہے اور اس کے سارے طرز عمل میں خیر و صلاح کی شان نمایاں ہو گئی ہے۔ اب تم خود ہی سمجھ لو کہ کیا جادو گر ایسی ہی باتیں کرتے ہیں اور ان کا جادو ایسے ہی نتائج دکھایا کرتا ہے؟

۱۸ رب کا لفظ یہاں پر درود گزار، مالک، آقا اور فرمانروا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ربوبیت اپنے (باقی صفحہ نمبر ۱۸ پر)

حکومت پر شکن ہوا اور کائنات کا انتظام پتلا رہا ہے۔ کوئی شفاعت (سفارش) کرنے والا نہیں ہے الا یہ کہ اس کی اجازت کے بعد شفاعت کرے۔ یہی اللہ تعالیٰ رب ہے لہذا تم اسی کی عبادت کرو۔ پھر کیا تم ہوش میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷) جو مخلوقات کے ساتھ صرف خدا کے لیے مخصوص ہے۔ وہی تمہارا پروردگار ہے۔ تمہیں پرورش کرنے اور پروردان چڑھانے میں اور تمہاری نجاتی کرنے میں کوئی اس کا شریک کار نہیں ہے۔ وہی تمہارا مالک و تاج ہے۔ کسی دوسرے کو تم پر ملکیت و بالائی و قافی کے حقوق حاصل نہیں ہیں۔ وہی تمہارا فرمانروا ہے۔ کوئی دوسرا یہ حق نہیں رکھتا کہ اس کے حکم کی اطاعت اور اس کا قانون کی پیروی کرو۔ یہ نبی کی تعلیم کا اولین بنیادی اصول ہے۔

۵۴ دن سے مراد وہ دن نہیں ہے جو سورج کے سامنے زمین کی محوری حرکت سے حاصل ہوتا ہے بلکہ کائناتی دن ہے جو مکن ہے۔ ہمارے حساب پرچاس ہزار سال کا ہو اور مکن ہے کہ اس سے کم یا زیادہ ہو۔

(حواشی صفحہ ۵۴) یعنی پیدا کر کے وہ مصلح نہیں ہو گیا بلکہ اپنی پیدا کی ہوئی کائنات کے تحت سلطنت پر وہ خود شکن ہوا اور اب سارے جہان کا انتظام مٹا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ نادان لوگ سمجھتے ہیں خدا نے کائنات کو پیدا کر کے یونہی چھوڑ دیا ہے کہ خود جس طرح چاہے بھتی رہے۔ دوسروں کے حوالے کر دیا ہے کہ وہ اس میں جیسا چاہیں تصرف کریں۔ قرآن اس کے برعکس یہ حقیقت پیش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق کی اس پوری کار کا ہر پرکھ ہی مگرانی کر رہا ہے۔ تمام اختیارات اس کے اپنے ہاتھ میں ہیں۔ ساری زمام اقتدار پر وہ خود قابض ہے۔ کائنات کے گوشے گوشے میں ہر وقت ہر آن جو کچھ ہو رہا ہے براہ راست اس کے حکم و اشارے سے ہو رہا ہے۔ اس جان بستی کے ساتھ اس کا تسلسل مرتب اتنا ہی نہیں ہے کہ وہ کبھی اسے وجود میں لایا تھا۔ بلکہ ہر وقت وہی اس کا مدبر و نظم ہے۔ اسی کے قائم رکھنے سے یہ قائم ہے اور اسی کے چلانے سے یہ چل رہا ہے۔

۵۵ یعنی دنیا کی تدبیر و انتظام میں کسی دوسرے کا دخل ہونا تو درکنار کوئی اتنا اختیار بھی نہیں رکھتا کہ خدا سے سفارش کرے اس کا کوئی فیصلہ بر لوادے یا کسی کی قسمت بنوادے یا بگڑوادے۔ زیادہ سے زیادہ کوئی جو کچھ کر سکتا ہے وہ بس اتنا ہے کہ خدا سے دعا کرے۔ مگر اس کی دعا کا قبول کرنا یا نہ کرنا بالکل خدا کے اختیار میں ہے۔ خدا کی خدائی میں اتنا زور و دار کوئی نہیں ہے کہ اس کی بات چل کر رہے اور اس کی سفارش ٹل نہ سکے۔

۵۶ اوپر کے تین فقرہ میں حقیقت نفس الامر کا بیان تھا کہ فی الواقع خدا ہی تھا رب ہے۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس امر واقعی کی موجودگی میں تھا مگر عمل کی ہونا چاہیے جب واقعہ ہے کہ ربوبیت بالکل خدا کی ہے تو اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ صرف وہی کی (باقی صفحہ ۵۷ پر)

نہ آؤ گے؟

اسی کی طرف تم سب کو پلٹ کر جانا ہے، یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے۔ بے شک پیدائش کی ابتدا وہی کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ان کو پورے انصاف کے ساتھ جزا دے اور جنہوں نے کفر کا طریقہ اختیار کیا وہ کھوتا ہوا پانی پیئیں اور دردناک سزا بھگتیں اُس انکار حق کی پاداش میں جو وہ کرتے رہے۔

(بقیہ صفحہ ۴۷) عبادت کرو۔ پھر جس طرح ربوبیت ۴ لفظ تین معنوں پر مشتمل ہے، یعنی پروردگاری، مالکی و قانی، اور فرمانروائی، اسی طرح اس کے بالمقابل عبادت کا لفظ بھی تین معنوں پر مشتمل ہے۔ یعنی پرستش، غلامی اور اطاعت۔

خدا کے واحد پروردگار ہونے سے لازم آتا ہے کہ انسان اسی کا شکر گزار ہو، اسی سے دعائیں مانگے، اور اسی کے آگے محبت و عقیدت سربجھکائے۔ یہ عبادت کا پہلا مفہوم ہے۔

خدا کے واحد مالک و قانی ہونے سے لازم آتا ہے کہ انسان اس کا بندہ و غلام بن کر رہے، اُس کے مقابلہ میں خود مختار نہ ہو یہ نہ خدا کی عبادت کے سوا کسی اور کی ذہنی یا عملی غلامی نہ قبول کرے۔ یہ عبادت کا دوسرا مفہوم ہے۔

خدا کے واحد فرمانروا ہونے سے لازم آتا ہے کہ انسان اس کے حکم کی اطاعت اور اس کے قانون کی پیروی کرے، اور خود اپنا حکمران بنے اور نہ اس کے سوا کسی دوسرے کی حکمرانی تسلیم کرے۔ یہ عبادت کا تیسرا مفہوم ہے۔

(خواہشی صفحہ ۴۸) اے مہربانی جب یہ حقیقت تمہارے سامنے کھول دی گئی اور تم کو صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ اس حقیقت کی موجودگی میں تمہارے لیے صحیح طرز عمل کیا ہے تو کیا اب بھی تمہاری آنکھیں نہ کھلیں گی اور اپنی غلط فہمیوں میں پڑے رہو گے جنکی بنا پر تمہاری زندگی کا پورا رویہ اب تک حقیقت خدا کی طرف سے بتی کی تعلیم کا دوسرا بنیادی اصول ہے

تہ یہ فقرہ دعوے اور دلیل دونوں کا مجموعہ ہے۔ دعویٰ یہ کہ خدا دوبارہ انسان کو پیدا کرے گا اور اس پر دلیل بھی ملے گی، اسی نے پہلی مرتبہ انسان کو پیدا کیا۔ جو شخص یہ تسلیم کرتا ہو کہ خدا نے خلق کی ابتدا کی ہے اور اس سے بجز اُن دہریوں کے اور کون منکر ہے جو بعض پادریوں کے مذہب سے بھاگنے کے لیے خلق بے خالق جیسے احمقانہ نظریے کو اڑھنے پر آمادہ ہو گئے) وہ اس بات کو نا ممکن یا بیوزن فہم نہیں قرار دے سکتا کہ وہی خدا اس خلق کا پروردگار ہے۔ یہ وہ ضرورت ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ انسان کو دوبارہ پیدا کرے گا، اور جو دلیل دی گئی تھی وہ یہ بات ثابت کرنے کے لیے کافی تھی کہ خلق کا اعادہ ممکن ہے اور اسے مستبعد سمجھنا درست نہیں ہے۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ اعادہ خلق عقل و انصاف کی رو سے ایک ایسی ضرورت ہے (باقی صفحہ ۴۷ پر)

دی ہے جس نے سورج کو اجالا بنایا اور چاند کو چمک دیا اور چاند کے گھسنے پڑنے کی منزلیں، ایسی ٹیک ٹیک مقرر کر دیں کہ تم اسی سے برسوں اور تاریخوں کے حساب معلوم کرتے ہو۔ اللہ نے یہ سب کچھ (کھیل کے طور پر نہیں بلکہ) با مقصد ہی بنایا ہے۔ اپنی نشانوں کو کھول کھول کر پیش کر رہا ہے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ یقیناً رات اور دن کے الٹ پھیر سہا اور ہر اس چیز میں جو اللہ نے زمین اور آسمانوں میں پیدا کی ہے نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو (خط بینی و غلط روی سے) پہنچنا چاہتے ہیں۔

(بقرہ مائتہ ستھ ۷۷) جو کچھ اللہ کے سامنے دوسرے طریقے سے پوری نہیں ہوتی۔ خدا کو اپنا دامن بامان کر جو لوگ یہ سمجھ بھنگی کا رویہ اختیار کریں وہ اس کے سستی ہیں کہ انھیں اپنے اس بجا طرز عمل کی پوری پوری جزا ملے، اور جو لوگ حقیقت سے انکار کریں اس کے خلاف زندگی بسر کریں وہ بھی اس کے سستی ہیں کہ یہ اپنے اس بجا طرز عمل کا بڑا نتیجہ دیکھیں۔ یہ عزت و اگر موجودہ دنیوی زندگی میں پوری نہیں ہو رہی ہے (اور ہر شخص جو ہٹ دہرم نہیں ہے جانتا ہے کہ نہیں ہو رہی ہے) تو اسے پرکار کرنے کے لیے یقیناً دوبارہ زندگی ناگزیر ہے۔

(مائتہ ستھ ۷۸) اے یہ عقیدہ، عزت کی تیسری دلیل ہے۔ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے ہر کام ہر طرہ نظر آ رہے ہیں جن کے بڑے بڑے نشانات سورج اور چاند، اہل و نہار کی گردش کی صورت میں ہر شخص کے سامنے موجود ہیں۔ ان سے اس بات کا نہایت واضح ثبوت ملتا ہے کہ اس عظیم الشان کارگاہ ہستی کا خالق کوئی بچہ نہیں ہے جس نے محض کھیلنے کے لیے یہ سب کچھ بنایا اور پھر دل بھر لینے کے بعد پونہی اس گھر و دے کو توڑ پھوڑ ڈالے۔ صریح طور پر نظر آ رہا ہے کہ اس کے ہر کام میں نظم ہے، حکمت ہے، مصلحتیں ہیں، اور زندگی کی پیدائش میں ایک گہری مقصدیت پائی جاتی ہے۔ پس جب وہ حکیم ہے اور اس کی حکمت کے آثار و علامت تمام سامنے ملنا یہ موجود ہیں، تو اس سے تم کیسے یہ توقع رکھتے ہو کہ وہ انسان کو عقل اور اخلاق میں اللہ کا نام نہ دے دینے کے بعد اس کے کارنامہ زندگی کا حساب کبھی نہ لے گا، اور عقلی و اخلاقی ذمہ داری کی بنا پر جزا و سزا کا جو استحقاق دلنا پیدا ہو رہا ہے اسے پونہی مل چھوٹ دے گا۔

اس طرح ان آیات میں عقیدہ آخرت پیش کرنے کے ساتھ اس کی تین دلیلیں بیان کی گئی ہیں۔

اول یہ کہ دوسری زندگی ممکن ہے کیونکہ پہلی زندگی کا اس کا اہل و عیال و اقارب کی صورت میں موجود ہے۔

دوم یہ کہ دوسری زندگی کی ضرورت ہے کیونکہ پہلی زندگی میں انسان اپنی اخلاقی ذمہ داری کو صحیح یا غلط طور پر جس طرح ادا کرتا ہے

(بقیہ حاشیہ نمبر ۷۹) اور کرتا ہے اور اس سے سزا اور جزا کا مستحق پیدا ہوتا ہے اس کی بنا پر عقل اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ایک اور زندگی جو جس میں ہر شخص اپنے اخلاقی رویہ کا وہ نتیجہ دیکھے جس کا وہ مستحق ہے۔

سو ہم یہ کہ جب عقل و انصاف کی رو سے دوسری زندگی کی ضرورت ہے تو یہ ضرورت یقیناً پوری کی جائے گی کیونکہ انسان اور کائنات کا خالق حکیم ہے اور حکیم سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ حکمت و انصاف جس چیز کے تقاضا میں ہوں اسے وہ دھوکہ دینے سے باز رہ جائے۔

خود سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ زندگی بد سوت کو استدلال سے ثابت کرنے کے لیے یہی تین دلیلیں ممکن ہیں اور یہی کافی بھی ہیں۔ ان دلیلوں کے بعد اگر کسی چیز کی کسریا ت رہ جاتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ انسان کو انھوں سے دکھایا جائے کہ جو چیز ممکن ہے جس کے وجود میں آنے کی ضرورت بھی ہے اور جس کو وجود میں لانا خدا کی حکمت کا تقاضا بھی ہے وہ دیکھو یہ تیرے سامنے موجود ہے۔ لیکن یہ کسر ہر حال موجودہ دنیوی زندگی میں پوری نہیں کی جاسکتی کیونکہ دیکھو ایمان لانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اگر تاقی انسان کا جو امتحان لینا چاہتا ہے وہ تو ہے ہی یہ کہ وہ جس دشمن سے بالاتر حقیقتوں کو خاص نظر و فکر اور استدلال صحیح کے ذریعہ سے جانتا ہے یا نہیں۔

اس سلسلہ میں ایک اور اہم مضمون بھی بیان فرمادیا گیا ہے جو گہری توجہ کا مستحق ہے۔ فرمایا کہ ”اللہ اپنی نشانیاں کو کھول کھول کر پیش کر رہا ہے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں اور اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غلط مبنی و غلط روی سے پچھا چاہتے ہیں۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تاقی نے نہایت میکھا : طریقے زندگی کے مظاہر میں ہر طرف وہ آثار پھیلار کھے ہیں جو ان مظاہر کے پیچھے چھپی ہوئی حقیقتوں کی صاف صاف نشان دہی کر رہے ہیں۔ لیکن ان نشانات سے حقیقت تک صرف وہ لوگ رسانی حاصل کر سکتے ہیں جن کے اندر یہ دو صفات موجود ہوں:

ایک یہ کہ وہ باہر تصورات سے پاک ہو کر علم حاصل کرنے کے ان ذرائع سے کام لیں جو اللہ نے انسان کو دیے ہیں۔

دوسرے یہ کہ ان کے اندر خود یہ خواہش موجود ہو کہ فطری سے بچیں اور صحیح طریق اختیار کریں۔